خطاب نائب صدر جمہوریہ ہند
عزت مآب جناب محمد حامد انصاری
بتاریخ ۲۹ رنومبر ۲۰۱۴ء بہ وقت ۳ بجے شام
بہ موقع افتتاح بین الاقوامی سمینار
بسلسلہ صد سالہ تقریب دارالمصنّفین،
شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔

میں شبلی اکیڈمی اور پروفیسر ظلی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کی صد سالہ تقریب کی مناسبت سے منعقد کیے گئے اس بین الاقوامی سمینار کے افتتاح کے لیے مجھے دعوت دی۔ میرے لیے اس خطۂ زمین میں اجنبیت نہیں ہے۔

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

مولانا شبلی نعمانی ایک قاموسی شخصیت تھے جو ایک ایسے عہد میں علم و ادب کے منظر نامے پر رونما ہوئے جو مسلمانانِ ہند کے لیے ایک نازک اور تغیر پذیر عہد تھا۔ وہ بالکل ہی مختلف عہد تھا، شاید وہ ہمارے ادراک سے بھی پرے ہے۔ ان کی زندگی، ان کے سفر نامے، ان کا حلقۂ احباب اور ان سب سے بڑھ کر ان کا فضل و کمال ایک متجسس ذہن کی گواہی دیتے ہیں۔ ان کا شاہکار علمی کارنامہ ''الفاروق'' کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مولانا کی دوسری اہم تصنیف ''شعر العجم'' ہے، جو تاریخ شعریات ایران کے متعلق ہے، اس کے بارے میں ''لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' کے مصنف ای جی براؤن نے لکھا ہے کہ:

''یہ اولین دور سے سترہویں صدی تک کے شعرائے ایران کا
بہترین تنقیدی تجزیہ ہے''۔

مولانا شبلی کو جو مسائل درپیش تھے ان میں سے ایک تعلیم سے متعلق جدیدیت کے اس مخصوص رجحان کے تناظر میں تھا جو برطانوی حکومت کے قیام کے بعد ہندوستان اور ہندوستانیوں پر تھوپ دیا گیا تھا۔ اس تبدیلی کا ایک ایسا گہرا نفسیاتی اثر ہوا جو احساس محرومی کا عکاس تھا۔ شبلی نے اس کرب کا اظہار اپنی ایک طویل نظم ''شہر آشوب اسلام'' میں کیا ہے۔ اس نظم کے آخری شعر سے احساس ناامیدی کی لے تیز اور نمایاں ہے ؎

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کب تک

بہت سالو بعد ایک بیرونی ہمدرد، ولفریڈ کینٹویل اسمتھ (Wilfred Cantwell Smith) نے اس سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

"The fundamental malaise of modern Islam is a sense that something has gone wrong with Islamic history. The fundamental problem of modern Muslims is how to rehabilitate that history: to set it going again in full vigour, so that Islamic society may once again flourish as a divenely guided society should and must".

یہی وہ سوال تھا جس کا سامنا سرسید احمد خاں اور اس وقت کی بہت سی دیگر شخصیتوں نے کیا ہر چند کہ ان سب کے جواب مختلف تھے، لیکن مشتملات ایک ہیں۔ حرکت و عمل جلد ہی قنوطیت اور شکوے پر غالب آ گئے۔ سرسید نے علی گڑھ میں ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' قائم کیا۔ مولانا شبلی نے ان کے اس مشن کے ساتھ سولہ برسوں تک کام کیا۔ دونوں کے پس منظر مختلف تھے۔ بعض مسائل پر ان کے خیالات ہم آہنگ تھے اگر چہ بعض مسائل پر وہ دونوں مختلف الخیال بھی تھے۔ مولانا نے ندوہ میں بھی اپنی علمی خدمات کو جاری رکھا اور بالآخر علم و فن کے لیے وقف اس معروف ادارے کی بنیاد رکھی۔

گذشتہ ایک صدی سے شبلی اکیڈمی نے علم و تحقیق، بطور خاص سیرت النبیؐ، اسلام کی

ابتدائی تاریخ، قرآنیات، عہد وسطیٰ پر ترکیز کے ساتھ ہندوستانی تاریخ، اردو، فارسی اور عربی ادب اور ادبی شخصیات کے حوالے سے نہایت وقیع خدمات انجام دیں ہیں۔اس کی مطبوعات کا مجموعہ متاثر کن ہے اور ماضی وحال کی علمی کاوشوں کو نذرانہ ہے۔

صاحبو!

اس ادارے اور اس جیسے بعض دیگر اداروں نے، بطور خاص اسلام کی تاریخ وثقافت کے میدان میں خود کو وقف کر رکھا ہے۔ ہندوستان اور ہندوستانی بجا طور پر اسے اپنی وراثت کا ایک اہم حصہ تصور کرتے ہیں۔اسی طرح ان سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس ورثہ کی حفاظت کریں اور اس کے فضل وکمال میں ایسا اضافہ کریں جو اس کی عظمت وشوکت کو بڑھائے۔اس کے لیے بنیادی شرط تعلیم ہے جس میں ہم باوجود متواتر اور صحیح تشخیص کے پچھڑ گئے ہیں۔ایک صدی قبل علامہ اقبال نے اس صورت حال کو دو اشعار میں بیان کیا تھا۔

آئینِ نو سے ڈرنا ، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے ، قوموں کی زندگی میں

یہ کاروانِ ہستی ، ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں ، جس کی روا روی میں

پھر انہوں نے اصلاح کا نسخہ بھی پیش کیا تھا۔

اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا
ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر

اکتوبر ۱۹۴۷ء کے نامساعد ایام میں مولانا ابوالکلام آزاد نے ملت سے اپیل کی تھی کہ وہ بدلتے حالات سے خود کو ہم آہنگ کریں۔ان کے ان الفاظ کو یاد کیے جانے کی ضرورت ہے:

''عزیزو! اپنے اندر ایک بنیادی تبدیلی پیدا کرو۔تبدیلیوں کے ساتھ چلو، یہ نہ کہو کہ ہم تغیر کے لیے تیار نہیں تھے''۔

گذشتہ ۶۷ سالوں کا جائزہ بتاتا ہے کہ ہم بھرپور طریقے سے اس چیلنج کا جواب نہیں دے پائے ہیں اور ہم اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ہم نے

اپنی ناکامی کی وجہ روایت اور سماجی رسوم بتایا ہے۔ نتیجتاً ہم سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ہر سطح پر پس ماندگی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ان تمام پر فتح پائی جاسکتی ہے، شرط ہے تو تنظیم اور کامیابی کے عزم کی۔

ہماری وسیع اور متنوع آبادی کا کوئی بھی حصہ بحیثیت شہری کے حکومت سے چار بنیادی مطالبات کے تقاضے کا حق رکھتا ہے:

۱- سماجی امن، تحفظ اور تشخص کی حفاظت (Identity) ۔۲- مناسب تعلیم کے ذریعے ترقی اور (Empowerment) ۔۳- روزگار اور سرکاری اسکیموں میں مناسب اور مساوی حصہ داری کیوں کر غیر مساوی معاشی مواقع غیر مساوی نتائج کا سبب بنیں گے اور نتیجتاً سیاسی قوت کے حصول میں عدم مساوات پیدا ہوگئی۔ نیز ۴- فیصلہ سازی میں مناسب حصہ داری۔

مجھے معلوم ہے اور آپ سب بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں گے کہ مذکورہ ان تمام امور کی حصولیابی میں کچھ کمیاں ہیں۔ اصلی چیلنج یہ ہے کہ ملک کے قانون، حیات، عزت اور مساوات کے آئینی حقوق کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کمیوں پر قابو پانا اور مساوی مواقع کو یقینی بنانے کے لیے سماجی اور تعلیمی طور پر پس ماندہ لوگوں کے لیے اثباتی اقدام اٹھائیں۔ یہ حقوق کا مسئلہ ہے، خیرات کا نہیں۔ ان کے لیے جدوجہد، صبر وتحمل کے دائرے میں رہتے ہوئے کی جانی چاہیے۔

''سب کے ساتھ، سب کا وکاس'' کا ہدف درست اور قابل قدر ہے۔ اس کے لیے ایک مشترکہ نقطۂ آغاز اور مطلوبہ رفتار سے سب میں شانہ بہ شانہ چلنے کی صلاحیت ضروری ہے۔ اس صلاحیت کو انفرادی وسماجی اقدامات نیز حکومتی سطح کے اقدامات کے ذریعے پیدا کرنا ہوگا جو زمینی سطح پر ثمر آور ہوں۔ پروگرام بنائے گئے ہیں اب ان کو مکمل طور پر عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

میں شبلی اکیڈمی کی تقریب پر تہہ دل سے تہنیت پیش کرتا ہوں اور مجھے یہاں مدعو کرنے کے لیے انتہائی مشکور ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک صدی مکمل کرنے کے بعد آنے والے سالوں میں یہ ادارہ اور بھی بامقصد پیش رفت کرے گا۔

تاریخ بتاتی ہے ضرورت پڑنے پر دانشور مشیر بھی بن جاتے ہیں۔ شاید اس دانش گاہ کے لیے وقت کا تقاضہ ہے کہ یہ علم ودانش کے موتی بکھیرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے مناسب رہنمائی بھی فراہم کرے۔

جے ہند۔